نظم

اکبری اقبال

مصنفہ

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے۔ پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لاء لاہور

چھپوا کر

منیجر مرغوب ایجنسی لاہور نے

کلامِ نیرنگ

سید غلام بھیک صاحب نیرنگ بی۔ اے پلیڈر پراسیکیوٹر انبالہ کا کلام جو
رسالہ مخزن لاہور میں وقتاً فوقتاً چھپتا رہا۔ عرصہ ہوا کہ ایک مجموعہ کی صورت میں
دفتر مخزن سے شائع ہوا تھا۔ وہ ایڈیشن ختم ہو جانے پر دوسرے ایڈیشن کی
ضرورت پڑی۔ اس لئے جناب سید صاحب موصوف الصدر سے بحیثیت مصنف ہونے
کے باقاعدہ اجازت لیکر اب دوسرا ایڈیشن مقبولِ عام تقطیع پر نہایت خوشخط عمدہ
سفید ایوری فنش کاغذ لگا کر چھاپا گیا ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن میں اور بھی چند
ایک نظمیں (جو پہلے ایڈیشن میں نہیں) اضافہ ہوئی ہیں۔ نئی بات یہ بھی ہے کہ
مصنف کا فوٹو بھی دیا گیا ہے۔ نیز مصنف کی نظر ثانی ہو کر یہ مجموعہ چھپا ہے۔
قیمت علاوہ محصول ڈاک آٹھ آنے ہے۔ ۸/

منیجر مرغوب ایجنسی لاہور سے منگائیے

علاوہ ازیں اور بہت سی قومی نظمیں قابل شعراء کی مختلف ڈیزائن اور سائز مل سکتی ہیں

اکبری اقبال

انجمن حمایت اسلام لاہور کے اکتیسویں سالانہ جلسے میں جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب
ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا لاہور نے لسان العصر سید
اکبر حسین صاحب پنشنر جج الہ آبادی کے رنگ میں بصدارت نواب ذوالفقار علی خاں (صاحب)
ذیل کی نظم پڑھی اور اس نظم کا عنوان "اکبری اقبال" رکھا تھا۔

پریذیڈنٹ جلسہ جناب نواب ذوالفقار علی خاں صاحب نے اپنی پرمعنی و بلند
تقریر میں ڈاکٹر صاحب موصوف کو شیکسپیئر اور سعدی سے تشبیہ دیتے
ہوئے فرمایا کہ اگر یہی اقبال ولایت میں ہوتا تو اس کی قدر و منزلت شیکسپیئر
سے بھی بڑھی ہوتی۔ مگر افسوس کہ ہمارے اہل ملک اس کی قابلیت سے
کم آشنا ہیں۔ اس کی دنیوی زندگی کے بعد معلوم ہوگا کہ اقبال کیا
چیز تھا۔"

ڈاکٹر صاحب نے بوجہ مصروفیت کا دوبارہ انجمن کیلئے کوئی نظم

پیشتر تیار نہ کر سکے۔ لیکن اراکینِ انجمن کے بار بار اصرار سے صرف دو تین دن پہلے جلدی میں اپنے چند خیالات کو منظوم کرنا شروع کیا۔

اس لئے آپ نے جلسہ میں نظم پڑھنے سے پہلے تمہیداً فرمایا کہ "یہ چند پکوڑے ہیں جو پبلک کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کرتا ہوں۔ بعض تازے۔ اور بعض تو ان میں ۲۴ گھنٹہ کے تلے ہوئے ہیں۔ مگر بعد ان پکوڑوں کے ایک تر لقمہ بھی ہو گا"۔

اس اکبری رنگ کے کلام کو قوم کے اکثر افراد نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور قبولیت کے کانوں سے سُنا اور تحسین کی زبان کو حرکت دی۔

اس نظم کے اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال اکبری رنگ کی جھلک دکھانے پر بھی کس قدر قادر ہیں۔ آپ کے اس نئے رنگ پر حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے ذیل کی تمہید تسطیر فرمائی اور خواجہ صاحب نے ہی اس نظم کا عنوان **اکبری اقبال** موزوں فرمایا:۔

فضل الٰہی (مرغوب رقم)

تمہید

از قلم

(حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی)

۷۸۶ — ھُوَالْکُل — یا مُعینُ

لاہور میں سیالکوٹ کے رہنے والے ایک
آدمی رہتے ہیں جن کا نام **محمد اقبال** ہے۔ اور ڈاکٹر
ہے۔ اور بیرسٹر ہے۔ اور پی۔ ایچ۔ ڈی ہے۔
وہ شعر گاتے ہیں۔ شعر بناتے ہیں۔ اور موقع پاتے
ہیں تو شعر پیدا بھی کر لیتے ہیں۔

میں نے ان کو آدمی اس ڈر سے کہا کہ جو لوگ
آدمیت کی عینک لگائے ہوئے ہیں اور اقبال

اُن کو آدمی ہی نظر آتے ہیں کہیں وُہ مجھ سے ثبوت نہ مانگ بیٹھیں۔ ورنہ میں اقبال کو پیکرِ خاک نہیں سمجھتا۔ اور اُن کے پُتلے کو آدم زاد نہیں جانتا۔ ممکن ہے کہ وُہ بشر ہوں۔ مگر اُن کی بشریت فقط اُن کے بیوی بچوں یا اُن کے لئے مبارک ہو جو اُن کو گورا چٹا مُونچھوں والا عقلمند پروفیسر و بیرسٹر کہتے ہیں۔

مَیں نے پروفیسر اقبال کو بھی دیکھا ہے۔ اور ڈاکٹر اقبال کو بھی سیالکوٹی اقبال کو بھی اور لاہوری اقبال کو بھی۔ یوریپین اقبال کو بھی دیکھا ہے اور لندنی اقبال کو بھی مگر کبھی آدمی نہیں پایا۔ وُہ ازل سے حیوان ہیں۔ اور حیاتِ ابدی کے نشان ہیں۔ ہندوستان

کہ آدمی حیوان کے لفظ کو مکروہ جانتے ہیں مگر میں اِس لفظ میں وُہ جان پاتا ہُوں جو ہند کے کسی اِنسان میں نہیں۔

برسات میں مکھّیاں اور پروانے دونوں پیدا ہوتے اور دونوں جاندار کہلاتے ہیں۔ مگر ایک آدمی کو ستاتا ہے۔ اور مگس بیچیا کا نام پاتا ہے اور دُوسرا شمع کے رُخ پر قُربان ہو جاتا ہے اور عبرت ڈھونڈھنے والوں کو صبح کے وقت اپنی لاش دِکھا کر رُلاتا ہے۔

اِقبال بھی ایک پروانہ ہے جو اَن دیکھی شمع کا دیوانہ ہے۔ مکھّیاں اس کے اشعار کو مٹھاس سمجھ کر چاٹتی ہیں اور پروانے شعلہ سمجھ کر قُربان ہونے آتے ہیں۔

اِقبال ہمیشہ آسمان پر اُڑتے ہیں۔ زمین پر کبھی آنا

ہوتا ہے تو اُس زمین میں جو آسمان سے زیادہ دُور ہوتی ہے۔ اس لئے وُہ لوگ جن کے پاس ہوائی جہاز نہیں ہیں یہ کہتے رہ جاتے ہیں کہ اقبال کہاں ہیں؟ ہم اُن تک کیونکر پہنچیں؟

ایک دن بھری سبھا کے اندر اقبال زمین پر آئے اور چند جملے اُن کی زبان میں سُنائے جو زمانہ کی زبان کہلاتے ہیں جن کا نام اکبر ہے۔ جو الٰہ آباد میں بیٹھکر اللہ کی آبادیاں بساتے ہیں۔ اکبر کے ہم زبان ہو کر بولنا آسان بات نہیں ہے۔ اکبر اشاراتِ ربانی کے حامل ہیں۔ اکبر کو گویا کرنے والا پہلے آنکھ سے دکھاتا ہے پھر قلم سے لکھواتا ہے۔ اکبر کی ہر بات زمین آسمان کو ایک کر دیتی ہے۔ ہر قول وُہ وجود لیکر آتا ہے جسکو انگریزی میں کیرکٹر کہتے ہیں۔ اکبر نے اُس دھوپ میں بال سفید کئے ہیں جس نے اسلامی سلطنت کا باغ خشک کر دیا۔

اقبال نے اکبری زبان میں جو کچھ کہا وہ اکبری اقبال ہے۔

خلقت اُس کو دیکھتی ہے کہ اقبال نے کس حد تک اکبری روش کو

نباہا ہے۔ اور اکبر کی طرح کیونکر تنگ قافیوں کو کشادہ کیا ہے مگر دکھینا

یہ تھا کہ زمانہ اکبر کی زبان میں بولتے بولتے اب اقبال کی زبان

میں بھی آیا ہے۔ خدا خیر کرے دیکھئے اِن حروف کے پردہ سے کیا نکلنے والا ہے

ہندوستان کی بیقراری میں کام کی باتیں درکار ہیں

جن میں نتائج ہوں۔ اور چلنے کے لئے راستہ ہو۔ عبرت کے

لئے دِل خوش کُن آگاہی و تنبیہ ہو۔ اکبر و اقبال کا ابتدا سے

یہی شیوہ رہا ہے۔ مگر اقبال نے اَور طریق سے کہا اور اکبر نے

اور پیرائے سے۔ اِس نظم میں جو منشی مرغوب رقم صاحب کے

ذریعہ شائع ہوتی ہے اقبال نے اکبری نقش قدم پر پاؤں اُٹھایا

ہے۔ اور حق یہ ہے کہ مضبوطی سے ہر نشان پر پاؤں جمایا ہے۔

مجھ سے کہتے ہیں کہ میں اس نظم پر وہ لکھوں جسکو لوگ ریویو کہتے ہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ بہتے ہوئے دریا کی روانی کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ دوسرا اُس کے تیز بہاؤ کی حقیقت پر لکچر دے۔ موجیں مارنے والا سمندر جب خود نظر آتا ہے تو کسی کا یہ کہنا کہ "کشتیاں چکرائیں گی، سواریوں کو چکر آئینگے، بادل اُٹھیں گے، اور زمین پر مینہ برسائینگے" فضول ہے۔ جاننے والے خود جانتے ہیں کہ یہ طوفان کسی موسم کی خبر دیا کرتا ہے۔ اس واسطے میں اس نظم کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ اور نہ کہنا ہی اس کی اعلیٰ شان کی دلیل ہے۔

حسن نظامی

نظم

مشرق میں اُصولِ دین بنجاتے ہیں
مغرب میں مگر مشین بنجاتے ہیں

رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلّے
واں ایک کے تین تین بنجاتے ہیں

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈھ لی قوم نے فلاح کی راہ

رَوشِ مغربی ہے مدِّ نظر
وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گُناہ

یہ ڈراما دِکھائے گا کیا سین؟
پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مُفت میں کالج کے لڑکے اُن سے بدظن ہو گئے

وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف
"پردہ آخر کس سے ہو جب مَرد ہی زن ہو گئے"

یہ کوئی دِن کی بات ہے۔ اَے مردِ ہوشمند!
غیرت نہ تجھ میں ہوگی ۔ نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وُہ دَور ۔ کہ اَولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لئے ووٹ چاہے گی

اِنساں ہوئے مہذّب لیکن مزہ تو جب ہے
جنگل میں کہہ رہی تھی ہاتھی سے۔ کَل یہ ہتنی!
"تقریر کو کھڑی ہو۔ کلّو میاں کی بیوی
پردھان ہو سبھا میں بھنسی کی دھرم پتنی"

ہر محکمے میں عُہدے تقسیم ہوں برابر
خُفیہ پولس میں جب بے حد ہو گئی ہے قائم
ہوتی نہیں ہے ہم کو جنگ و جدل سے سیری
ہندو ہیں پیڈ افسر مُسلم ہیں آنریری

تعلیمِ مغربی ہے بہت جرأت آفریں
پہلا سبق ہے۔ بیٹھ کے کالج میں مار ڈینگ

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط،
آغا بھی لے کے آتے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

میرا یہ حال۔ بوٹ کی ٹو چاٹتا ہوں میں
اُن کا یہ حکم دیکھ! مرے فرش پر نہ رینگ

کہنے لگے کہ اونٹ ہے بھدّا سا جانور
اچھی ہے گائے۔ رکھتی ہے کیا نوکدار سینگ

کہی اچھی نقیبِ انجمن نے
خدا واحد ہے دو ناظم ہیں اپنے

وہ سمجھے گا اسے جو کارداں ہے
دوعملی میں ہمارا آشیاں ہے

دستور تھا کہ ہوتا تھا پہلے زمانہ میں
مُلا کا محتسب کا۔ خدا کا۔ نبی کا ڈر
دو خوف رہ گئے ہیں ہمارے زمانہ میں
مضمون نگار بیوی کا۔ سی آئی ڈی کا ڈر

کُچھ غم نہیں جو حضرتِ واعظ ہیں تنگدست
تہذیب کے تو سامنے سر اپنا خم کریں
ردِ جہاد میں تو بہت کچھ لکھا گیا
تردیدِ حج میں کوئی رسالہ رقم کریں

وفاداراں سہ قسم اند۔ اگر دانی!
زبانی اند و نانی اند و جانی
زبانی را ز منصب عزتے دہ
زمینے بر سرِ نہرِ بنانی
اگر باغی بخواند دیگراں را
بباید ز آستاں اورا برانی
وگر ذوقِ ملاقاتِ تو دارد
جوابش دہ بلفظِ لن ترانی
وفادارانِ جانی را بدست آر
اگر خواہی زجانی جاں ستانی

جنابِ شیخ کو پلواؤ خاص لندن کی
عجیب نسخہ ہے یہ خودفراموشی کیلئے

ہمارے حق میں تو جینا بتر ہی مرنے سے
جو زندہ ہیں تو فقط آپکی خوشی کیلئے

ہُوا مَیں جینے سے بیزار جب۔ تو فرمایا
"کہاں سے لاؤ گے بندوق خودکشی کیلئے"

تہذیب کے مریض کو گولی سے فائدہ
دفعِ مرض کے واسطے پِل پیش کیجئے!

تھے وُہ بھی دِن کہ خدمتِ اُستاد کے عوض
دل چاہتا تھا ہدیۂ دِل پیش کیجئے!

بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے "کہ بِل پیش کیجئے!"

اِنتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تلک
چھتریاں رُومال مفلر پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئیں گے غسّال کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دِل مغرب میں جا اٹکا ہے
واں کنٹر سب بلّوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے
اِس دَور میں سب مِٹ جائینگے ہاں! باقی وُہ رہجائے گا
جو قائم اپنی راہ پہ ہے اور پکّا اپنی ہَٹ کا ہے
اَے شیخ و برہمن! سُنتے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں؟
گردُوں نے کتنی بلندی سے اِن قوموں کو دے پٹکا ہے
یا باہم پیار کے جلسے تھے، دستُورِ محبّت قائم تھا
یا بحث میں اُردو ہندی ہے، یا قربانی یا جھٹکا ہے

ترجمہ

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبّر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا؟ تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے تاجِ سرِ دارا!

تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہانداری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارہ

سماں اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کا رہا شانِ امارت میں
بہ آب و رنگ، خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را!

غرض - میں کیا کہوں تجھ سے! کہ وہ صحرانشیں کیا تھے؟
جہانگیر و جہاندار و جہانبان و جہاں آرا،

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی،

کہ تو گفتار، وہ رفتار، تو ثابت، وہ سیارا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی

نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارہ

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی،

جو دیکھو ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

غنی! روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن!

کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

اقبال

اشعارِ ذیل نتیجۂ طبعِ مولوی محمد الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور

اشعار کہ در مدحت اقبال نوشتم

زرہا سوئے کاں بردم و دُرہا سوئے دریا

مرا ذہنِ خطابے بود با گردونِ مینائی
کہ اے! از دفترِ حکمت ترا صد گونہ دانائی

بگو! آں کیست در ہستی کہ مثلش در یں عالم
نہ از امکاں بود حظے۔ نصیبے نے رسیدائی

کسے کاندر جہانِ دولتِ اقبال دانش را
ہمی فتویٰ دہد مفتیِ دوراں بہرِ یکتائی

کسے کو چوں درآید در نکاتِ حکمت آموزی
فلاطوں تہ کند زانو بہ پیشش بہرِ دانائی

ز حلمِ کوہِ سنگینش زمیں در ناتوانیہا
ز عزمِ با توانِ او بگردوں صد توانائی

کند در مصرِ دولت یوسفی زاں ہزاراں ناز
کہ دارد آسماں با ذاتِ او ہر دم زلیخائی

چو او فرزندِ نامی نیست یک آبائے علوی را
کہ از دانشِ او عالم راست صد نیرنگِ زیبائی

زمیں با آسماں گوید کہ خاکِ آستانش شو
اگر خواہی کہ از بیہودہ گردی ہا بر آسائی

فلک را جوہرِ اول ہمی گوید کہ اے باہوش!
ہماں بہتر کہ بر خاکِ درِ او جبہ را سائی

ازاں بر ہستیِ او پیرِ گردوں نازشے دارد
کہ از ذاتِ او از سر یافت علم و عمل و دانائی

چو برخے زیں محامد بر شمردم گفت گردونم
"تو میدانی تجاہل را چرا ہاں کار فرمائی

تو مصداقِ محامد جوئی و دانستہ می پرسی
مگر با دانش و فرہنگ بس ہوش و سودائی"

وگر خواہی کہ نامش بر زباں رانم ہمی گویم
کہ ہست او ڈاکٹر اقبال مولائی آقائی

خمش مختار در مدحش زدن دست و پا تا کے
کزیں گرداب حیرانی بروں نائی بروں نائی